ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

سیّد شکیل عارضؔ ✵

میرؔ شناسی: فکری و ادبی روایت کا تسلسل
(آغاز تا بیسویں صدی)

Mir Shanasi: The Continuity of Philosophical and Literary Tradition (From Beginning to the Twentieth Century)

By *PhD Scholar,, Dept. of Urdu, University of Education, Lahore.*

ABSTRACT

This paper presents a brief overview of the philosophical and literary tradition of Mir Shanasi, from classical tazkiras to the twentieth century, spanning approximately 248 years. It examines major critical writings in chronological order to trace how Mir's poetic personality and creative philosophy have been interpreted, evaluated, and redefined across different literary periods. This is not merely an explanation of Mir's poetry but represents a living experience for readers and critics of all ages. The study highlights how each era reinterpreted Mir within its intellectual framework, reflecting both continuity and transformation in Urdu literary criticism.

Keywords: Mir Shanasi, Classical Tazkiras, Literary Tradition, Criticism.

شاعر کو پیغمبرِ سخن اور تلمیذِ رحمانی جیسے خطابات سے نوازا گیا مگر میر تقی میرؔ (۱۷۲۳ء-۱۸۱۰ء) وہ تنہا شاعر ہیں جنھیں ''خدائے سخن'' کہا گیا ہے۔ ماسوائے میرؔ، اردو ادب کی تاریخ میں کوئی ایسا شاعر نہیں ملتا جس کی عظمت کا اعتراف ہر دور میں یکساں طور پر کیا گیا ہو۔ زبان کے ارتقا کی تاریخ پر نظر ڈالنے سے معلوم ہوتا ہے کہ کھڑی بولی جو کہ جدید ہندی اور اردو زبان کا سرچشمہ ٹھہری میرؔ کے ہاں نکھر کر سامنے آتی ہے۔ میرؔ نے وہ اسلوب دریافت کیا جو اس سے پہلے ولی دکنی اور قلی قطب شاہ کے پاس موجود نہ تھا۔ غالبؔ کے رنگ کے ابتدائی نقوش بھی میرؔ کے ہاں

✵ پی ایچ ڈی اسکالر، شعبۂ اردو، یونی ورسٹی آف ایجوکیشن، لاہور

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

نظر آتے ہیں۔ میرؔ نے گلی کوچوں اور جامع مسجد کی سیڑھیوں پر بولی جانے والی عام بول چال کی زبان میں شاعری کر کے اسے معاشرے سے ہم آہنگ کر دیا جس سے زبان کے ارتقا کا عمل تیز ہوا۔ احمد جاوید لکھتے ہیں:

> میرؔ ایسے شاعر ہیں جن کے تعارف کا پہلا فقرہ طے شدہ ہے اور وہ یہ کہ میرؔ اپنی زبان کے سب سے بڑے شاعر ہیں۔(۱)

عموماً ادب میں یہ نظریہ رائج ہے کہ تنقیدی عمل تخلیقی عمل کے ساتھ ہی شروع ہو جاتا ہے لیکن تحریری صورت میں تنقید تخلیق کے بعد ہی شروع ہوتی ہے۔ جیسا کہ ارسطو نے اپنی کتاب بوطیقا میں فن کے جو اصول بیان کیے وہ یونانی ڈراما نگاروں کی تخلیقات کو سامنے رکھ کر ہی وضع کیے تھے لیکن بوطیقا آج تک تخلیق فن کے لیے رہنما اصول کی حیثیت رکھے ہوئے ہے۔ تنقید اور تخلیق ایک دوسرے کے لیے مشعلِ راہ ہیں۔ ٹی ایس ایلیٹ اور ورڈز ورتھ جیسے عظیم ناقدین کا بھی یہی کہنا ہے کہ ہر عظیم فن پارہ اپنے تنقیدی اصولوں کو لے کر جنم لیتا ہے۔ یعنی کہ نئی تخلیق جو عظیم بھی ہو اس کو پرانے اصولوں پر نہیں پرکھا جا سکتا۔ یہی وجہ ہے کہ میرؔ ہر دور میں ہی مختلف پیرایوں میں انتقادِ ادب کا حصہ رہے ہیں۔

میرؔ شناسی کی روایت کا آغاز عہدِ میرؔ بلکہ خود میرؔ کی اپنی ذات سے ہی ہوتا ہے۔ اس روایت میں تذکرے، مقدمات، مضامین اور کتب کا اہم حصہ شامل ہے۔ تذکروں کی اہمیت غیر معمولی ہے چوں کہ ان ہی تذکروں میں تنقید کے ابتدائی نقوش ملتے ہیں۔ تذکروں میں ظاہر کی جانے والی رائے چاہے کتنی ہی تاثراتی کیوں نہ ہو ناقدین اور محققین چاہے اسے تنقید کا درجہ دیں یا نہ دیں مگر تذکروں میں تنقیدی شعور ضرور ملتا ہے۔ نکات الشعرا کے بارے میں فتح علی گردیزی کی رائے: ''خردہ گیری ہمسراں وستم ظریفی با معاصرانست'' خود ایک تنقیدی حیثیت رکھتی ہے۔

نکات الشعرا کو تذکروں میں اولیت حاصل ہے۔ جسے میرؔ نے ۱۱۶۵ھ/ ۱۷۵۲ء میں تحریر کیا۔ نکات الشعرا کا سنہِ تصنیف کہیں درج نہیں ہے۔ صفدر آہ کے نزدیک میرؔ نے یہ تذکرہ ۱۱۶۰ھ/ ۱۷۴۷ء میں لکھا تھا۔ ڈاکٹر جمیل جالبی کا کہنا ہے کہ نکات الشعرا کا ایک نقشِ اول بھی تھا جس میں میرؔ نے اضافہ کر کے ۱۷۵۲ء میں مکمل کیا۔ جس دور میں نکات الشعرا زیرِ تصنیف تھا۔ اسی دور میں کئی اور تذکرے بھی لکھے گئے تھے جن میں مجمع النفائس (۵۱-۱۷۵۰ء/ ۱۷۴۴ء) مؤلفہ سراج الدین علی خان آرزو، گلشنِ گفتار (۱۷۵۲ء) مؤلفہ خواجہ خان حمید اورنگ آبادی اور تحفۃ الشعرا (۱۷۵۲ء) مؤلفہ مرزا افضل بیگ قاقشال ہیں۔ لیکن ان تذکروں کی موجودگی کے باوجود نکات الشعرا سب سے پہلے منظرِ عام پر آیا جس کی بدولت اولیت کا سہرا اسی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے سر ہے۔

فارسی زبان میں لکھے گئے اس تذکرے میں میرؔ نے ۱۰۳ اردو شعرا کا تذکرہ اور ان کے کلام کا انتخاب دیا ہے۔شعرا کے تعارف و احوال کے علاوہ طنز و مزاح اور اصلاحِ زبان و ادب پر بھی گفتگو کی ہے۔خود اپنا ذکر تذکرے کے آخر میں چند سطروں میں کیا ہے۔

> فقیر حقیر میر تقی میرؔ مولف این نسخہ متوطن اکبر آباد است بہ سبب گردش لیل ونہار از چندے در شاہ جہاں آباد است۔(چندے از خودنوشتہ می آید)[۲]

اس کے بعد شاعری کا طویل انتخاب دیا ہے جو کہ ۲۸۴ اشعار پر مشتمل ہے۔آخر میں ''خاتمہ'' کے عنوان سے جو تحریر پیش کی ہے میرؔ کے تنقیدی شعور کی ضمانت قرار دیا جا سکتا ہے۔اس میں میرؔ نے ریختہ کی چھ اقسام کا ذکر کیا ہے اور چوتھی اور چھٹی قسم کو اپنی شاعری سے منسوب کیا ہے۔

> ششم انداز است کہ ما اختیار کردہ ایم وآں محیط ہمہ صنعتہا است۔تجنیس، ترصیع، تشبیہ، صفائے گفتگو، فصاحت، بلاغت، ادا بندی، خیال وغیرہ۔ایں ہمہ ہا درضمن ہمین است وفقیر ہم از ہمیں وتیرہ محظوظم۔[۳]

یہ بات قابلِ غور ہے کہ میرؔ سے پہلے کسی نے ریختہ کو ان اقسام میں تقسیم نہیں کیا تھا۔فقط یہی نہیں فصاحت و بلاغت اور صنعتوں کے استعمال اور برجستگی جیسی خصوصیات کا ذکر جو میرؔ نے کیا ہے اس سے میرؔ کے تنقیدی شعور کا اندازہ ہوتا ہے۔تذکروں میں پائی جانے والی رائے کو اگر اس دور کا تنقیدی شعور مان لیا جائے تو میرؔ کی نکات الشعرا میں دیگر شعرا اور خود اپنی شاعری سے متعلق رائے تنقید کی حیثیت رکھتی ہے۔لہٰذا یہ کہا جا سکتا ہے کہ میرؔ اردو شعری ادب کے پہلے نقاد کی حیثیت رکھتے ہیں۔

نکات الشعرا کے بعد فتح علی حسینی گردیزی کا تذکرۂ ریختہ گویاں (۱۱۶۶ھ/ ۱۷۵۳ء) ہے جسے گردیزی نے فارسی زبان میں لکھا تھا۔گردیزی نے یہ تذکرہ نکات الشعرا کے جواب میں لکھا لیکن اس میں میرؔ کے تذکرے کا کوئی ذکر نہیں کیا۔''خردہ گیری ہمسراں ستم ظریفی بامعاصرانست'' جیسی رائے رکھنے کے باوجود میرؔ کے بارے میں لکھتے ہیں:

> سخن سنج بے نظیر میر محمد تقی میر تخلص، زادگاہش اکبر آباد است وطبعش معنی ایجاد،شمع استعدادش برکردہ، شعلہ ادراک سراج الدین علی خان آرزو است۔فقیر سیر اشعارش نمودہ وچشمے آب دادہ، حقا کہ دراں تلاش معنی بیگانہ کردہ است وحرفِ

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

آشنا ابروے آوردہ۔ (۴)

گردیزی کا میرؔ کو سخن سنج اور معنی ایجاد قرار دینا تنقیدی حیثیت رکھتا ہے۔اس کے علاوہ معنی بیگانہ اور حرفِ آشنا جیسی تراکیب جس سے مراد مضمون آفرینی اور مانوس الفاظ کا استعمال کرنا ہے۔''معنی بیگانہ'' کی ترکیب کے معنی ''بہارِ عجم'' میں ''آں تازہ معنی کہ پیش ازیں کسے نہ بستہ باشد'' (وہ تازہ مضمون جو اس سے پہلے کسی نے نہ باندھا ہو) درج ہیں۔اس طرح میرؔ کی خود اپنی ذات کے علاوہ گردیزی کو میرؔ کا پہلا نقاد اور اس روایت کا پہلا میرؔ شناس کہا جا سکتا ہے۔

تذکرہ مخزنِ نکات جسے ۱۱۶۸ھ/ ۵۵۔۱۷۵۴ء میں قیام الدین قائم چاند پوری نے تصنیف کیا۔ یہ اپنی نوعیت کا پہلا تذکرہ تھا۔جس میں پہلی بار اردو شاعری کو اُدوار میں تقسیم کر کے پیش کیا گیا۔میرؔ کے بارے میں قائم چاند پوری نے لکھا کہ:

> شمع انجمن،عشق بازاں فروغ محفل سخن پردازان، جامع آیات سخن دانی،مجمع کمالات انسانی معجز طراز کرامت تحریر،محمد تقی المتخلص میرؔ...(۵)

قائم نے جہاں میرؔ کی ذات کے بارے میں بہت کچھ لکھا وہاں شاعری کے بارے میں فقط ''معجز کرامت تحریر'' لکھ کر خاموش ہو گئے۔لیکن انتقادِ میرؔ کے حوالے سے اس رائے کو بھی نظر انداز نہیں کیا جا سکتا۔

تذکرہ چمنستانِ شعرا انتقادِ میرؔ کے سلسلے میں ایک اہم تذکرہ ہے جسے لچھمی نرائن شفیق نے (۷۶۔۱۱۷۵ھ/ ۶۳۔۱۷۶۱ء) کے درمیان تصنیف کیا۔ اس تذکرے میں لچھمی نرائن نے میرؔ سے متعلق وہ اصطلاحات وضع کیں جن کی بنیاد پر بعد میں کلام میرؔ کو پرکھا گیا۔لچھمی نرائن نے میرؔ کو میرِ میدانِ سخن وری، شہنشاہِ اقلیمِ معنی پروری، مضامینِ رنگین بھی کہا اور میرؔ کی نازک خیالی سے متعلق سرتاج شاعرانِ عصر اور گلِ سرسبد کہا ہے۔ لکھتے ہیں:

> میر اکبرآبادی، میدان سخنوری وشہنشاہ اقلیم معنی پروری است...مضامین رنگین می سازد۔ ہزاران معنی بیگانہ غلام جنابش...ونازک خیالی سرتاج شاعراں این عصر وگل سرسبد...(۶)

لچھمی نرائن کے تذکرے کے بعد اہم تذکرہ قدرت اللہ شوق کا طبقات الشعراء ہے جسے شوقؔ نے ۸۹۔۱۱۸۸ھ/ ۷۶۔۱۷۷۴ء میں تصنیف کیا۔ یہ تذکرہ پہلے تذکروں کی نسبت تفصیلی ہے۔ شوق نے اس تذکرے میں میرؔ وسوداؔ کی ہم زمین غزلوں کو بھی پیش کیا ہے۔گویا کہ ایک تقابلی مطالعہ کی کوشش کی ہے۔اس کے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

علاوہ میرؔ کو شاعر پر مغز و ہمہ داں محاورات وروزمرہ پر قدرت رکھنے والا، سمندِ عرصۂ فصاحت اور خوش فکر قرار دیا ہے۔

شاعر پر مغز و ہمہ داں، استاد ہم چشماں، اکثر سخن طراز اں ومعنی یاباں محاورات وروزمرات ایں فن ازایشاں اخذ نمودہ، اند۔ از... شہوار سمند عرصۂ فصاحت، فارس مضمار بلاغت.... صاحب طبع وخوش فکر... ہر چند سادہ گواست امادر سادہ گوئی تہ داری و پر کاری اور ظاہر و نمودار است۔ (۷)

درج بالا اقتباس کا آخری جملہ (ہر چند میرؔ سادہ گو ہیں لیکن اس سادہ گوئی میں تہ داری و پرکاری پائی جاتی ہے۔) میرؔ شناسی کی روایت میں سنگِ میل کی سی حیثیت رکھتا ہے۔ خود میرؔ کا بھی یہی کہنا ہے کہ:

کوئی سادہ ہی اس کو سادہ کہے
ہمیں تو لگے ہے وہ عیّار سا

طبقات الشعرا کے بعد تذکرہ شعرائے اردو کو میر حسن نے ۱۱۹۱ھ/ ۷۸۔۱۷۷۷ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرے میں میرؔ کو فکرِ عالی اور ان کی طبع رواں کو بے حد شگفتہ اور شاداب کہا ہے۔ لیکن محاسن میرؔ پر اس تذکرے میں کوئی بات نہیں کی گئی۔

...فکر عالیش درعین آبی بہ طبع روانش بہ نہایت شادابی، چراغِ نثرش روشن و ساخت... (۸)

اس کے بعد تذکرۂ گلشنِ سخن کا نام آتا ہے جسے ۱۱۹۴ھ/ ۱۷۸۰ء میں مرزا کاظم مخاطب بہ مردان علی خان مبتلا لکھنوی نے فارسی زبان میں لکھا۔ مبتلاؔ نے میرؔ کو ریختہ گویاں کا سردار بھی تسلیم کیا ہے اور ''درستیِ نظم'' اور ''صفائے فکرت'' جیسی صفات سے میرؔ کے کلام کو منسوب کیا ہے۔

ذکاء ذہن و علو فطرت و درستی نظم وصفائے فکرت از کلام دل نشین مبرہن و ہویداست الحق درین زمان سرآمد ریختہ گویان می توان شمرد۔ (۹)

علی ابراہیم خلیل نے ۱۱۹۸ھ/ ۸۴۔۱۷۸۳ء میں تذکرۂ گلزارِ ابراہیم تصنیف کیا۔ اس تذکرے میں ابراہیم نے اس دور کے تاریخی حالات وواقعات کے علاوہ شاعری کی مختلف اصناف پر تنقیدی بحث بھی کی ہے۔ میرؔ سے متعلق ان کا کہنا ہے کہ سحر کارِ سخن میں طلسم ساز ہیں خیال کے اور جادو طرازی بیان میں معانی پرداز ہیں مقال کے، تنقیدی حیثیت رکھتا ہے۔ اس کے علاوہ فکر اور غزل میں دوسرے شعرا پر فوقیت دینا اور سوداؔ سے میرؔ کے کلام کا تقابل کرنا اس تذکرے کی اہم خصوصیت ہے جسے تقابلی تنقید کا نقطۂ آغاز کہا جاسکتا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

...سحرکاریِ سخن در طلسم سازی، خیال وجادوطرازیِ بیان در شیوہ مقال اوست۔
اگرچہ در ہمہ اقسام نظم ناطقہ سازاست لیکن بہ اتفاق ادا سنجان نغمہ دیگر بہ آہنگ
غزل یابش سامعہ نوازیست۔ (۱۰)

غلام ہمدانی مصحفی نے دو تذکرے لکھے جن میں پہلا تذکرہ عِقدِ ثریا (۱۱۹۹ھ/ ۱۷۸۵ء) میں اور دوسرا تذکرہ تذکرۂ ہندی (۱۲۰۹ھ/ ۹۵۔۱۷۹۴ء) میں لکھا۔ ان دونوں تذکروں میں مصحفی نے میرؔ کی عظمت اور شہرت کا ذکر توخوب کیا ہے لیکن میرؔ کی شاعری کے بارے میں ''صاحبِ کمال شخص'' کہنے کے علاوہ کوئی خاص نکتہ بیان نہیں کیا۔ سودا سے میرؔ کا تقابل بھی کیا ہے لیکن یہ تقابل علی ابراہیم خلیل اپنے تذکرے گلزارِ ابراہیم میں پہلے ہی کر چکے ہیں۔ البتہ اس تقابل سے مصحفی نے یہ نتیجہ نکالا ہے کہ لوگ اُنھیں غزل ومثنوی میں سوداؔ سے بہتر قرار دیتے ہیں اور سوداؔ کو ہجو اور قصیدہ میں ان پر فضیلت ہے۔

شخص صاحب کمال است، اکثرے درفنِ ریختہ اورا در پلہ مرزا رفیع سودا گرفتہ اندو
اکثر درغزل ومثنوی بہتر از مرزا قیاس می کنندہ و مرزا را درہجو وقصیدہ بروفضیلت می
دہند۔ غرض ہرچہ ہست استادیٔ ریختہ برو مسلم است۔ (۱۱)

مصحفی کے تذکروں کے بعد شیخ وجیہہ الدین عشقی عظیم آبادی کا تذکرہ تذکرۂ عشقی کا نام آتا ہے۔ جسے عشقی نے ۱۲۱۵ھ/ ۰۱۔۱۸۰۰ء میں تصنیف کیا۔ میرؔ کی سوانح کے اعتبار سے یہ تذکرہ اہمیت کا حامل ہے۔ اس تذکرے میں میرؔ کو ''میر مجلس سخن پروری'' کہا گیا ہے۔ میرؔ کی شاعری سے متعلق عشقی نے ''اسوۂ معنی آفریناں'' اور ''ادابند'' جیسی خصوصیات بیان کیں ہیں۔ خود میرؔ نے بھی اس ترکیب کا استعمال کیا ہے۔

یہی انداز باندھے ہیں یہی ناز
قیامت میرؔ صاحب ہیں ادابند

(غزل شکار نامہ، اول)

اسوۂ معنی آفریناں، دقیقہ گزیں، زبدۂ دقیقہ... میر مجلس سخن پروری... تاحال در
قلمرو ہندوستان چنیں غزل سرائے ادابند... (۱۲)

تذکرۂ عشقی کے بعد اعظم الدولہ سرور کا تذکرہ عمدۂ منتخبہ آتا ہے۔ سرور نے یہ تذکرہ ۲۴۔۱۲۱۶ھ/ ۱۰۔۱۸۰۱ء میں تصنیف کیا۔ اس تذکرے میں سب سے اہم بات یہ ہے کہ سرور نے میرؔ کی زبان کی طرف اشارہ کیا ہے کہ اس کا تتبع بہت لوگوں نے کرنے کی کوشش کی لیکن کوئی اس تک نہیں پہنچ سکا۔ میرؔ کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

زبان سے متعلق یہی رائے آگے چل کر سہلِ ممتنع کہلائی۔ انتقادِ میرؔ کے سلسلے میں یہ اہم پیش رفت ثابت ہوتی ہے۔

مہار تے تمام در فصیح گوئی وفنون شاعری داردو بلند تلاشاں ایں فن شاعر مسلّم الثبوت میں شمارندو بہ استادی او قائل اند۔ وضع وردیہ، شعر گوئی بہ نہجے کہ دارد کسے رامیسر نہ شدہ است۔ بسیار عزیزیان تلاش تتبع زبان وکردند۔ (۱۳)

میرؔ کی زندگی میں لکھا جانے والا آخری اہم تذکرہ مجموعۂ نغز میر قدرت اللہ قاسم نے ۱۲۲۱ھ/ ۱۸۰۷ء میں لکھا۔ قاسم نے اس تذکرے میں میرؔ کی زبان، ضائع بدائع اور کلام آفرینی کی پرتپاک تعریف کی ہے۔ سوداؔ سے میرؔ کا موازنہ بھی کیا ہے اور بعض معاملات میں سودا کو میرؔ پر برتری بھی دی ہے۔ قاسم نے سودا کو دریاے بے کراں اور میرؔ کو نہر عظیم الشان قرار دیا ہے۔ مجموعۂ نغز کی تنقید دیگر تذکروں سے مختلف تو نظر آتی ہے مگر غیر جانب دار نہیں۔

...محمد تقی میر شاعر نے است بے نظیر او سخن سنجے است، خوش تقریر، عندلیب خوش نواے، باغ فصاحت، بلبل ہزار داستان...

ہر گلے را رنگ و بوے دیگر است

مرزا دریاے است وبیکراں و میرؔ نہر است عظیم الشان... چندیں صنائع بدائع فن برصفحہ روزگار ثبت فرمود۔ (۱۴)

حیاتِ میرؔ میں لکھے جانے والے معلوم تذکروں کی تعداد ۲۵ ہے۔ متذکرہ بالا ان اہم ترین ۱۲ تذکروں کو ہی شامل کیا گیا ہے جن میں انتقادِ میرؔ کے نمونے ملتے ہیں۔ محققین کے مطابق تذکروں کی کل تعداد ۸۱ ہے۔ جن میں سے ۲۵ حیاتِ میرؔ میں لکھے گئے اور ۵۶ تذکرے میرؔ کی وفات (۱۸۱۰ء) کے بعد لکھے گئے۔ ان تمام تذکروں کی تاریخی وادبی اہمیت اپنی جگہ مسلّم ہے۔ لیکن ذیل میں وفاتِ میرؔ کے بعد لکھے جانے والے فقط میں ان اہم تذکروں کا ہی ذکر ہے جو میرؔ شناسی کے سلسلے کی اہم کڑی ثابت ہوتے ہیں۔ ان تمام تذکروں کو نظر انداز کیا گیا ہے جو میرؔ شناسی میں کوئی اضافہ نہیں کرتے۔

میرؔ کی وفات (۱۸۱۰ء) کے بعد لکھا جانے والا اہم تذکرہ دستور الفصاحت ہے۔ احد علی خاں یکتاؔ نے اس تذکرے کو ۱۲۹۴ھ/ ۳۴-۱۸۳۳ء میں فارسی زبان میں لکھا۔ یکتاؔ نے میرؔ کی تعریف کے ساتھ ساتھ محاسنِ کلام پر بھی گفتگو کی ہے۔ ان کا یہ کہنا ہے کہ اگرچہ میر کا فصیح کلام سعدی کی طرح ظاہری طور پر آسان نظر آتا ہے لیکن ایسا ہے نہیں، (سہل ممتنع) سے تعبیر کرنا ہے۔ اس کے علاوہ متکلم سحر کار، سلطان اقلیم فصاحت اور مملکت سخن کا سردار قرار دیتے ہیں۔

متکلم سحر کار، شاعر جادوکردار... سیدالشعراء مملکت سخن را امیر... اگرچہ کلام فصاحت نظامش، مثل سعدی، بظاہر آسان نظرمی آید، و لے ممتنع است۔ (۱۵)

اس کے بعد نواب مصطفیٰ خان شیفتہ نے اہم ترین تذکرہ گلشنِ بے خار ۱۲۵۵ھ/ ۱۸۳۴ء میں لکھا۔ شیفتہ نے اس تذکرے میں تمام شعرا کے کلام کو تنقیدی نگاہ سے دیکھا ہے۔ شیفتہ نے میر کو فصح الفصحا، اشعر شعرا کہا ہے اور لکھا ہے کہ لطافت ان کی طبیعت کی ہمزاد ٹھہری۔ سینکڑوں دردناک آہیں اس کے ایک مصرع کی تاثیر کے برابر نہیں ہیں خاص طور سے غزل اور مثنوی میں سبقت رکھتے ہیں۔ شیفتہ سے منسوب یہ زبان زدِ عام فقرہ ''پستش بغایت پست و بلندش'' (یعنی ان کا پست کلام بہت پست ہے اور ان کا بلند کلام بہت بلند ہے) درحقیقت شیفتہ نے لکھا کچھ اور تھا اور مشہور کچھ اور ہی ہوگیا۔ شیفتہ نے اصلاً یہ فقرہ ''پستش اگرچہ اندک پست است اما بلندش بسیار بلند'' (یعنی ان کا پست کلام اگرچہ کم پست ہے اور ان کا بلند کلام بہت زیادہ بلند ہے) یوں لکھا تھا۔ بقول شمس الرحمٰن فاروقی:

> اول تو شیفتہ کون سے عرش سے ٹوٹے ہوئے تارے تھے کہ ان کی رائے بے کھٹکے تسلیم کرلی جائے اور دوسری (اور اتنی ہی اہم) بات یہ ہے کہ شیفتہ بے چارے نے تو یہ کہا ہی نہیں تھا۔ انھوں نے کہا دراصل یہ کہ ''پستش اگرچہ اندک پست است اما بلندش بسیار بلند است'' لیکن جو انھوں نے نہیں کہا وہ مفروضہ اتنا مقبول ہوا کہ وہی آج بھی میر شناسی کی مضمر بنیاد ہے۔ (۱۶)

اس کے بعد تذکرہ تاریخِ ادبِ ہندوستان کا نام آتا ہے جسے گارساں دتاسی نے ۸۷۔۱۲۵۶ھ/ ۰۷۔۱۸۳۹ء میں فرانسیسی زبان میں لکھا۔ اس تذکرے کا اردو ترجمہ مولوی کریم الدین اور فیلن نے ۱۸۴۷ء میں کیا اور اس کا نام طبقات الشعراء ہند رکھا۔ گارساں دتاسی نے میر کے چھ دواوین اور مختصر حالات کا ذکر کیا ہے۔ میر کو ''فصح الفصحاء'' بھی قرار دیا ہے۔ اس تذکرے میں تنقیدی اعتبار سے کوئی خاص پہلو نہیں ملتا سوائے اس بات کے کہ میر کو غزل میں سودا پر برتری ہے اور سودا کو قصیدہ گوئی میں میر پر برتری ہے۔ چوں کہ یہ تذکرہ گارساں دتاسی نے فرانسیسی زبان میں لکھا اس لیے فرانسیسی ادب کے اعتبار سے بھی اس تذکرے کی اہمیت نمایاں ہے۔

تنقیدی اعتبار سے اب تک کا اہم ترین تذکرہ بہارِ بے خزاں کو قرار دیا جاسکتا ہے۔ اس تذکرے کے مولف احمد حسین سحر لکھنوی ہیں۔ سحر لکھنوی نے یہ تذکرہ ۱۲۶۱ھ/ ۱۸۴۵ء میں تالیف کیا۔ اس تذکرے میں میر

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کے عشق پر تبصرہ بھی کیا ہے اور محاسنِ کلامِ میرؔ پر بھی اظہارِ خیال کیا ہے۔ اس کے علاوہ سحر لکھنوی نے میرؔ کے لیے ''شورانگیزی'' کی اصطلاح بھی استعمال کی ہے۔ میرؔ کے کلام میں دردانگیزی، معنی آفرینی، روزمرہ اور بندشِ الفاظ جیسی خوبیوں کا بیان اس تذکرے کی اہمیت میں اضافہ کرتا ہے۔

> آشفتۂ مضمونِ عاشقانہ و دردانگیز...کلامِ شورانگیزش لختِ دل و پارۂ جگر تفتہ، دود مانِ معنی آشنا و رآتش انداختہ و روزمرۂ گفتگو بے ساختہ و لطف حسن بندشِ دیگراں از دل ہا برداشتہ...(۱۷)

میرؔ کی وفات (۱۸۱۰ء) سے تقریباً ۷۰ سال بعد ۱۲۹۷ھ/ ۱۸۸۰ء میں سید علی حسن خاں نے تذکرہ ''بزمِ سخن'' تصنیف کیا۔ سید علی حسن خاں نے میرؔ کو مسلّم الثبوت استاد بھی تسلیم کیا ہے اور اقلیم سخنوری کے خسرو بھی مانا ہے۔ صاحبِ تذکرہ کا میرؔ سے متعلق اہم ترین نکتہ یہ ہے کہ میرؔ موجدِ الفاظ و معنی ہیں۔ میرؔ کو اس سے پہلے تک ''معنی ایجاد'' تو کہا گیا کہ کلام میرؔ میں نئے نئے معنی و مفہوم پائے جاتے ہیں۔ لیکن موجدِ الفاظ و معنی کہنا کلامِ میرؔ سے متعلق نئی فکر دینا ہے۔

> استاد مسلم الثبوت بودہ است کسے را از وے انحرافی نسیت، خسرو اقلیم سخنوری و سخندانی ست موجد الفاظ و معانی...(۱۸)

تذکرہ نویسی کی یہ روایت نکات الشعراء ۱۷۵۲ء سے بزمِ سخن ۱۸۸۰ء تک تقریباً ۱۲۸ سال پر محیط ہے۔ اِسی دوران ۱۸۸۰ء میں محمد حسین آزاد نے آبِ حیات لکھی۔ جو تذکروں اور تاریخ کے درمیان اہم کڑی ثابت ہوتی ہے۔ آبِ حیات اپنے طرز کی پہلی کتاب کے طور پر سامنے آتی ہے جس میں آزاد نے زبان و ادب کی تاریخ اور شاعری کو ادوار میں تقسیم کر کے پیش کیا ہے۔ میرؔ سے متعلق آزاد نے جہاں کئی قصے کہانیاں لکھیں ہیں اسی کے ساتھ اصنافِ سخن اور محاسنِ کلام پر تنقیدی آرا بھی پیش کیں ہیں۔ آزاد نے میرؔ کی فصاحت و بلاغت اور زبان کے استعمال کی خصوصیات پر تفصیلی گفتگو کی ہے:

> میرؔ صاحب کی زبان شستہ، کلام صاف، بیان ایسا پاکیزہ جیسے باتیں کرتے ہیں۔ دل کے خیالات کو جو کہ سب کی طبیعتوں کے مطابق ہیں محاورہ کا رنگ دے کر باتوں میں ادا کر دیتے ہیں اور زبان میں خدا نے ایسی تاثیر دی ہے کہ وہی باتیں ایک مضمون بن جاتی ہیں۔ اسی واسطے ان میں یہ نسبت اور شعرا کے اصلیت زیادہ قائم رہتی ہے بلکہ اکثر جگہ یہی معلوم ہوتا ہے گویا نیچر کی تصویر کھینچ رہے ہیں...ان کی

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

غزلیں ہر بحر میں کہیں شربت اور کہیں شیر وشکر ہیں مگر چھوٹی چھوٹی بحروں میں فقط
آبِ حیات بہاتے ہیں جو منھ سے نکلتا ہے تاثیر میں ڈوبا ہوا نکلتا ہے۔(۱۹)

آبِ حیات ۱۸۸۰ء کے بعد مغربی تنقیدی تصورات کے زیرِ اثر اردو ادب میں باقاعدہ تنقید کا آغاز ہوا۔ حالیؔ و شبلیؔ اور امداد امام اثرؔ کے تنقیدی شعور کی بدولت تنقید کے اس نئے دور میں میرؔ شناسی کے بھی نت نئے باب کھلے۔

حالی نے مقدمہ شعر وشاعری ۱۸۹۳ء میں عملی تنقید کے حوالے سے نیچرل شاعری کی تعریف کی ہے اور اس کے بعد حوالے کے طور پر میرؔ کے اشعار درج کیے ہیں:

نہیں ہے چاہ بھلی اتنی بھی دعا کر میرؔ
کہ اب جو دیکھوں اسے میں بہت نہ پیار آوے

وصل اس کا خدا نصیب کرے
میرؔ جی دل چاہتا ہے کیا کیا کچھ

میرؔ کی شاعری کو نیچرل شاعری قرار دے کر حالی نقدِ میرؔ میں اضافہ کرتے ہیں۔ میرؔ کے اس شعر پر حالی نے لکھا ہے کہ:

ہمارے آگے ترا جب کسو نے نام لیا
دلِ ستم زدہ کو ہم نے تھام تھام لیا

مگر ایسے دھیمے الفاظ میں وہی لوگ جوش کو قائم رکھ سکتے ہیں جو میٹھی چھری سے تیز خنجر کا کام لینا جانتے ہیں اور اس جوش کا پورا اندازہ کرنا ان لوگوں کا کام ہے جو صاحبِ ذوق ہیں اور جن پر بے محل ہزاروں آہیں اور نالے اتنا اثر نہیں کرتے جتنا کہ برمحل کسی کا ایک ٹھنڈا سانس بھرنا۔(۲۰)

حالیؔ کے مقدمہ شعر وشاعری ۱۸۹۳ء کے بعد امداد امام اثر کی کاشف الحقائق جس کا دوسرا نام بہارستانِ سخن ہے ۱۸۹۷ء میں شائع ہوئی۔ بعض ناقدین اور محققین کے نزدیک یہ اردو تنقید کی پہلی کتاب ہے۔ امداد امام اثر نے میر کے فن اور جمالیات کو مغرب کے تنقیدی اثرات کے تحت موضوعِ بحث بنایا ہے۔ ان کے نزدیک کلام میرؔ کی اہم خصوصیات داخلیت، سوز وگداز، خستگی، ملاحت، شیوینی، رنگینی، شوخی اور نشریت وغیرہ ہیں۔ انھوں نے میرؔ کے کلام کو وارداتِ قلبیہ کا بیان قرار دیا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مولوی عبدالحق نے ۱۹۲۱ء میں انتخابِ کلامِ میرؔ کا مقدمہ لکھ کر انتقادِ میرؔ کا نیا باب شروع کیا۔ انھوں نے میرؔ کی شاعری کو اس عہد کے سیاسی، سماجی اور معاشی حالات کے تناظر میں پرکھا ہے۔ ان کے مطابق میرؔ کی شاعری اور زندگی ایک دوسرے کے عکاس ہیں۔ مولوی عبدالحق نے میرؔ کو یاس وحرماں کا شاعر قرار دیا ہے۔ اور یہیں سے میرؔ کے یاس پرست اور قنوطی شاعر ہونے کے جھمیلے بھی شروع ہوئے۔ اس کا ذکر وہ اپنے مقدمے میں اس طرح کرتے ہیں:

> ان کا کلام ایسا درد بھرا ہے کہ اس کے پڑھنے سے دل پر چوٹ سی لگتی ہے جو لطف سے خالی نہیں ہوتی... شگفتگی اور زندہ دلی میرؔ صاحب کی تقدیر میں نہ تھی وہ سراپا یاس وحرماں تھے اور یہی حال ان کے کلام کا ہے گویا ان کا کلام ان کی طبیعت وسیرت کی ہو بہو تصویر ہے...[۲۱]

مولوی عبدالحق نے یہ بھی لکھا ہے کہ میرؔ کا اثر بعد کے زمانے میں زائل ہو گیا۔ جبکہ لکھنوی شعرا کے یہاں داخلیت کا رجحان میرؔ ہی کہ بدولت نظر آتا ہے۔

اشعارِ میرؔ اس دور کی اہم تصنیف ہے جسے عبدالمنان بیدل ایم اے عظیم آبادی نے ۱۹۳۴ء میں مکمل کیا اور یہ کتاب پہلی بار ۱۹۳۵ء میں شائع ہوئی۔ عبدالمنان نے اس کتاب میں میرؔ کی زندگی اور شاعری پر جو تبصرہ کیا ہے اس سے یہ بات سامنے آتی ہے کہ میرؔ کی شاعری میں غم والم ہی نہیں بلکہ شوخی وظرافت عناصر بھی پائے جاتے ہیں۔ اس ضمن میں انھوں نے میرؔ نے ۱۲۳ اشعار کا انتخاب بھی دیا ہے۔ اس کے علاوہ اس بات کی کھوج لگا نے کی کوشش کی ہے کہ میرؔ کو خدائے سخن کیوں کہا گیا ہے۔ میرؔ میں ایسی کیا خاص بات ہے جو کسی اور میں نہیں۔ آخر اس نتیجے پر پہنچتے ہیں کہ:

> خدائے سخن میرؔ نے تمام اصنافِ شاعری پر طبع آزمائی کی گو ان کی خاص اور محبوب عام چیز غزل ہے۔ قصیدہ، رباعی، مثنوی، مرثیہ، واسوخت سبھی کچھ لکھا۔[۲۲]

اسی کے ساتھ میرؔ کے ۱۴ شاگردوں کا ذکر بھی کیا ہے اور ان کے اشعار بھی درج کیے ہیں۔ میرؔ کے معاصرین اور معتقدین کی فہرست دی ہے جس میں سودا، مصحفی، غالب، ذوق، شیفتہ، حالی، امیر مینائی، خواجہ حیدر علی آتش، میر مجروح، مولوی اسماعیل، داغ، اکبر الہ آبادی اور صفی لکھنوی وغیرہ کے نام شامل ہیں۔ بلاشبہ اشعارِ میرؔ میرؔ شناسی سلسلے کی اہم کڑی ثابت ہوتی ہے۔

میرؔ شناسی کے حوالے سے لکھی جانے والی پہلی مکمل اور باقاعدہ تصنیف فلسفۂ میرؔ ہے۔ جیسے صفدر آہ نے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۱۹۲۸ء میں مکمل کر کے پہلی بار ۱۹۳۶ء میں شائع کیا۔ فلسفۂ میرؔ کی اشاعت سے قبل میر پر اس طرح کی جامع اور مستند کتاب موجود نہ تھی جس نے میرؔ کی زبان، لہجہ، کرب، تہذیبی، ثقافتی و سیاسی حالات اور محاسن کلامِ میرؔ جیسے موضوعات کے حوالے سے انتقادِ میرؔ کی نئی راہیں ہموار کیں ہوں۔ صفدر آہ نے فلسفہ میرؔ کے دیباچے میں لکھا ہے کہ:

> اس کتاب میں میں نے میرؔ صاحب کے ہر شعبۂ کلام پر روشنی ڈالنے کی کوشش کی ہے۔ دبی زبان سے مجھے یہ کہنے کی اجازت دی جائے کہ غالباً یہ پہلا مسلسل تبصرہ ہے جو کلامِ میرؔ پر نکل رہا ہے۔ (۲۳)

نواب جعفر علی خاں اثر لکھنوی نے کلامِ میرؔ کا انتخاب بعنوان مزامیر دو جلدوں میں ۱۹۴۷ء میں شائع کیا۔ اس انتخاب کا مقدمہ انتقادِ میرؔ کے حوالے سے نہایت اہمیت کا حامل ہے۔ اس مقدمے کو تمام میرؔ شناسوں نے قدر کی نگاہ سے دیکھا ہے۔ اس مقدمے میں اثر لکھنوی نے میرؔ پر ہونے والے اعتراضات اور بہتر نشتر والی مشہور رائے کا جائزہ لیا ہے۔ اس کے علاوہ شاعری اور محاسن کلامِ میرؔ پر خصوصی توجہ کی ہے۔ اس مقدمے کی سب سے اہم خصوصیت یہ ہے کہ اثر لکھنوی نے میرؔ کی شاعری میں آواز اور نشستِ الفاظ سے پیدا ہونے والے مفہوم کی ترجمانی پر سیر حاصل گفتگو کی ہے، اس کے لیے انھوں نے اصطلاح Onomatoposis کا استعمال کیا ہے۔ بقول اثر لکھنوی:

> اردو شاعری میں Onomatoposis کا فقدان ہے یعنی آواز یا نشست الفاظ مفہوم کی ترجمانی نہیں کرتے۔ مغربی شاعری میں اس کی مثالیں بکثرت ملتی ہیں۔ (۲۴)

میرؔ کے مرثیوں کا اولین مجموعہ مراثیِ میرؔ کے نام سے سید مسیح الزماں نے ۱۹۵۱ء میں شائع کیا۔ اس مجموعے میں میرؔ کے اکتالیس مرثیے اور سلام شامل ہیں۔ اس کتاب کے مقدمے میں مسیح الزماں نے میرؔ کے مرثیوں کا تنقیدی جائزہ پیش کیا ہے۔ انھوں نے میرؔ کے مرثیوں کی ہیئت، اسلوب، زبان و بیان اور دیگر فنی و فکری خصوصیات پر اظہارِ خیال کیا ہے۔ میرؔ کو بطور مرثیہ نگار پیش کرنے کی یہ سعی فقط مسیح الزماں نے ہی کی ہے۔ بقول مسیح الزماں:

> میرؔ کے مرثیوں کا مطالعہ کرتے وقت انیسؔ یا ان کے معاصرین کا کلام سامنے رکھ کر ان سے موازنہ کرنا ویسی ہی غلطی ہوگی جیسے کسی بارہ سال کے بچے کی ایک پچیّس سال کے جوان سے زور آزمائی کرانا۔ ان کے مرثیے کا اندازہ ان کے معاصرین اور پیش رووں کے مرثیوں کے پس منظر ہی میں ہوسکتا ہے اور جب ان کے ماحول، حالات اور معاصرانہ تخلیقات کے ساتھ ہم ان کے مرثیے دیکھتے ہیں تو وہ ہمیں اپنے عہد کے کامیاب مرثیہ گو نظر آتے ہیں۔ (۲۵)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

مسیح الزماں نے یہ تسلیم کیا ہے کہ ان کے مرثیوں میں وہ نشتریت نہیں ہے جو ان کی غزلوں میں پائی جاتی ہے۔ اپنی قادرالکلامی کے باعث میرؔ اپنے ہم عصر مرثیہ گویوں پر بھی سبقت لے جاتے ہیں۔

میرؔ حیات اور شاعری میرؔ شناسی کے حوالے سے اہم کتاب ہے جسے خواجہ احمد فاروقی نے تصنیف کیا۔ یہ کتاب بقول فاروقی ۱۹۴۵ء میں مکمل ہو چکی تھی لیکن مسودہ ضائع ہونے کے باعث ۱۹۵۳ء میں دوبارہ پایۂ تکمیل کو پہنچی اور ۱۹۵۴ء میں شائع ہوئی۔ خواجہ احمد فاروقی کا شمار اہم میرؔ شناسوں میں ہوتا ہے۔ فاروقی نے میرؔ کے حالاتِ زندگی اور شاعری کے اعتبار سے میرؔ کو قنوطی شاعر نہیں بلکہ مضبوط اور باہمت انسان سے تعبیر کیا ہے۔ نظریۂ شاعری سے بحث کرتے ہوئے فاروقی نے میرؔ کے ہاں داخلیت، خارجیت، فلسفۂ غم، تصوف، تصورِ حسن و عشق، نشتریت جیسے دقیق موضوعات کی طرف توجہ دلوائی ہے۔ میرؔ کی زبان سے متعلق بہت اہم نکتہ اٹھایا ہے۔ لکھتے ہیں:

> میرؔ فن و فکر کے بنیادی رشتے سے باخبر ہیں۔ ان کے لب و لہجہ اور شاعرانہ اسلوب کے بنانے میں ان کی سیرت، ان کے خاندانی ورثہ اور معاشرتی ماحول کو بڑا دخل ہے۔ ان کے یہاں جو معصوم اداسی، نرمی، گھلاوٹ، ضبط اور پندار ہے وہ اردو شاعری کا بہترین سرمایہ ہے۔ ان کا غمِ عشق، غمِ آفاق سے گزرتا ہوا، بلند ترین المیہ کی سرحدوں کو چھو لیتا ہے۔ اس میں وہ گہرائی، سنجیدگی اور خیر و برکت ہے جو بغیر آگ کو گلزار بنائے ہوئے پیدا نہیں ہوتی۔[۲۶]

میرؔ حیات اور شاعری یہ پہلی کتاب تھی جس میں میرؔ کو ہر زاویے سے دیکھنے کی سعی کی گئی۔ پانچ ابواب پر مشتمل اس طویل کتاب میں اس عہد کے سیاسی و سماجی حالات میرؔ کی زندگی اور شاعری کے علاوہ زبان کے ارتقا میں میرؔ کے کردار پر بھی مفصل گفتگو کی گئی ہے۔ فاروقی نے میرؔ کی شاعری کو اردو کے ارتقا کی تاریخ بھی کہا ہے۔

> ان کی شاعری کی پشت پر اردو کے ارتقا کی تاریخ ہے اور اس میں برسہا برس کی روایات، تمدنی، وراثت، تاریخی و تہذیبی عوامل کی جلوہ گری ہے۔[۲۷]

کلیاتِ میرؔ کو پہلی بار ڈاکٹر عبادت بریلوی نے طویل مقدمے کے ساتھ ۱۹۵۸ء میں شائع کیا۔ یہ مقدمہ تقریباً ۱۰۰ صفحات پر مشتمل ہے۔ اس مقدمے میں انھوں نے میرؔ کی شخصیت، تصانیف اور فن پر تفصیلی تبصرہ کیا ہے۔ ان کی دوسری کتاب میر تقی میرؔ جو ۱۹۸۰ء میں شائع ہوئی اسی مقدمے سے مربوط ہے۔ مقدمے میں جن موضوعات کا احاطہ کیا گیا ان کی تفصیل اس کتاب میں پیش کی ہے۔ اس کے بعد ان کی تیسری کتاب جہانِ میرؔ ہے۔ یہ کتاب میرؔ کی ادبی و تنقیدی سوانح ہے۔ عبادت بریلوی نے میرؔ کی زندگی اور عہد کے اعتبار سے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

ان کی شاعری اور نثر کی تصویر کشی کی ہے۔ اور یہ ثابت کیا ہے کہ میرؔ کی زندگی ایک ایسے دور میں گزری جہاں سکون عنقا تھا اور وہ اپنے عہد کے حالات و واقعات کے عینی شاہد تھے۔ اس لیے ان کی زندگی پر اظہارِ خیال ان کے عہد پر اظہارِ خیال کے مترادف ہے۔

ڈاکٹر سید عبداللہ نے ۱۹۶۴ء میں نقدِ میرؔ کے عنوان سے مجموعۂ مضامین شائع کیا۔ اس کتاب کی اہمیت یوں بھی ہے کہ سید عبداللہ نے اس کتاب میں میرؔ سے متعلق ان ناانصافیوں کی نشان دہی کی ہے جو آزاد نے میرؔ کے حوالے سے کیں تھیں۔ اس کے علاوہ انھوں نے میرؔ کی دنیا کو عام لوگوں کی دنیا قرار دیا ہے۔ اِن کی نگاہ میں میرؔ کی بڑی خصوصیت سادگی کے ساتھ ساتھ شدید جذباتی کیفیات کے عام فہم اور موثر بیانیے میں ہے۔ بقول سید عبداللہ:

> میر تقی میرؔ کی عظمت کا بڑا راز یہ ہے کہ ان کے کلام میں شدید ذاتی جذبات موجود ہیں جن میں بڑی سچائی اور بڑا درد ہے حسنِ اتفاق یہ کہ وہ جس عصر کے شاعر ہیں اس کا اجتماعی احساس بھی ان کے ذاتی احساس سے ہم آہنگ ہے۔ اس لحاظ سے وہ اپنے دور کے نمائندہ اور ترجمان بھی ثابت ہوئے ہیں۔ (۲۸)

میرؔ شناسوں میں سید عبداللہ نے ہی سب سے پہلے میرؔ کی صوتیات کی طرف توجہ کی اور اس نتیجہ پر پہنچے کہ حروف کی تکرار کے ذیل میں کاف اور گاف سے میرؔ کی دلچسپی غیر معمولی نظر آتی ہے۔

صفدر آہ کی دوسری کتاب میرؔ اور میریات ۱۹۷۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو حصوں میں منقسم ہے پہلا حصہ سوانحی اور تاریخی جبکہ دوسرا حصہ تنقیدی ہے۔ صفدر آہ نے اس میں بھی میرؔ کی تمام اصنافِ سخن پر تنقید کی ہے۔ اس کتاب کی خاص بات یہ ہے کہ صفدر آہ نے میرؔ سے متعلق معلومات کو ان کی شاعری میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے جس سے میرؔ کے نئے مفاہیم سامنے آئے ہیں۔

علی سردار جعفری کی کتاب پیغمبرانِ سخن ۱۹۷۰ء میں شائع ہوئی۔ اس میں شامل میرؔ کی شاعری پر مضمون کو انھوں نے دیوانِ میرؔ کے دیباچے کے طور پر شامل کیا۔ جعفری نے میرؔ کی شعری اہمیت کو میرؔ کے عہد کے حالات میں تلاش کرنے کی کوشش کی ہے۔ اس نکتے کی وضاحت بھی کی ہے کہ میرؔ کا غم انفرادی نہیں بلکہ اجتماعی ہے۔ ان کا کہنا ہے کہ میر نے واقعات کو علامتوں کے ذریعے بیان کیا ہے یہی وجہ ہے کہ ان کا محبوب سفاک، کمینہ، اوباش، بدمعاش، خوں خوار، جھوٹا اور مکار ہے۔ علی سردار جعفری لکھتے ہیں:

> اس براہ راست اندازِ بیان کے علاوہ میرؔ نے اپنے عہد کے مظالم اور انسانی شخصیت کی شکست و ریخت کو محبوب کے پردے میں بھی بیان کیا ہے اور پردے

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

کو اٹھانے کی خود ہی ترغیب بھی دی ہے۔ (۲۹)

علی سردار جعفری نے مطالعۂ میرؔ کو چار عنوانات بالترتیب تمہید، افسانہ، حقیقت اور شاعری میں تقسیم کیا ہے۔ انھوں نے میرؔ کی شاعرانہ عظمت، کلام اور عہدِ میرؔ کے سیاسی وسماجی حالات کا جائزہ لے کر میرؔ سے متعلق نظریۂ تنقید کو نئی معنویت عطا کی ہے۔ اور انتقادِ میرؔ کو جدید رویّوں سے روشناس کروایا ہے۔

احتشام نے کلیاتِ میرؔ کا مقدمہ ۱۹۷۱ء میں لکھا۔ یہ مقدمہ بھی مولوی عبدالحق کے مقدمے کی طرح انتہائی اہم ہے۔ اس مقدمے میں احتشام حسین نے منفرد انداز میں میرؔ کی شاعری کا جائزہ لیا ہے۔ احتشام حسین کا کہنا ہے کہ میرؔ کی شاعری ان کی زندگی ہے۔ انھوں نے ناقدینِ میرؔ سے شکایت بھی کی ہے کہ میرؔ کی زندگی اور ان کی شاعری میں ربط تلاش کرنے کی کوشش نہیں کی گئی۔ وہ میرؔ کو زندگی کی کش مکش کے حوالے سے اداکار کی حیثیت سے دیکھتے ہیں۔ میرؔ سے متعلق لکھتے ہیں کہ:

> میرؔ خارج اور باطن کی دنیا میں ایک ربط قائم کرنا چاہتے ہیں اور یہی جدوجہد، کشمکش اور کوشش ان کے کلام میں نادر اور فنکارانہ اظہار کی صورت میں سامنے آتی ہے اور یہی چیز انھیں غیر معمولی شاعر بناتی ہے۔ (۳۰)

اٹھارہویں صدی میں ہندوستانی معاشرت میرؔ کا عہد میرؔ کی شخصیت، فن اور ان کے عہد کے پس منظر میں لکھی گئی اہم کتاب ہے۔ جسے ڈاکٹر محمد عمر نے ۱۹۷۳ء میں تصنیف کیا۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا ہے۔ حصہ اوّل میرؔ کے دلّی کے زمانے سے متعلق ہے اور حصہ دوم لکھنؤ جانے سے لے کر وفات تک کا احاطہ کرتا ہے۔ اس کتاب میں میرؔ کے عہد کے حالات کے مطابق میرؔ کی شخصیت اور کلام کو پرکھا گیا ہے۔ عہدِ میرؔ کے رسم ورواج، تہوار، لباس، مشاعرے، پکوان اور دیگر سماجی سرگرمیوں کا جائزہ لے کر کلامِ میرؔ سے مثالیں پیش کیں ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ اپنے عہد کو شاعری میں اس طرح سمو دینا، کہ اس میں اس عہد کی مکمل تصویر نظر آئے، میرؔ کا کمال ہے۔ بقول محمد عمر:

> ...اس معاشرے کی ترکیب کن اجزا سے ہوئی تھی جس میں میرؔ نے آنکھ کھولی اور جہاں ان کے ذہن نے ابتدائی اثرات قبول کیے۔ ان کی شخصیت کا سانچا بنا اور ان کی فکر کو خام مواد حاصل ہوا۔ اس ماحول کا عکس اور تلمیحات ان کے کلام میں بھی بکثرت دستیاب ہوتی ہیں، اس طرح یہ تہذیبی مطالعہ ان کی شاعری اور شخصیت کے مرقع کا Frame کہا جا سکتا ہے۔ (۳۱)

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

میرؔ کے اہم ترین ناقدین میں سے ایک نثار احمد فاروقی ہیں۔ جنھوں نے ذکرِ میرؔ کا اردو ترجمہ میرؔ کی آپ بیتی کے نام سے ۱۹۵۷ء میں کیا۔ اس کے بعد ۱۹۷۴ء میں تلاشِ میرؔ اور ۱۹۸۵ء میں انتخابِ کلام میرؔ بعنوان میر تقی میرؔ شائع کیا۔ تلاشِ میرؔ فاروقی کے ۱۹ اہم مضامین کا مجموعہ ہے۔ جن میں سے میرؔ کا آرٹ تنقیدی نوعیت کا اہم مضمون ہے۔ ان کے نزدیک میرؔ کے کلام کو سمجھنے کے لیے ان کے عہد اور ماحول سے شناسائی ضروری ہے۔ سوانحی اعتبار سے انھوں نے میرؔ کی سوانح کے تین ماخذ بیان کیے ہیں جو کہ بالترتیب تذکرے، ذکرِ میرؔ اور کلامِ میرؔ ہیں۔ نثار احمد فاروقی پہلے میرؔ شناس ہیں جنھوں نے میرؔ کی شاعری کو تین حصوں میں تقسیم کر کے اس کی درجہ بندی کی ہے۔ بقول نثار احمد فاروقی:

> خود میرؔ کی شاعری کا مطالعہ کیجیے تو اندازہ ہوگا کہ اس کی شاعری کو بااعتبار افکار تین حصوں میں تقسیم کیا جا سکتا ہے۔ پہلا حصہ وہ ہے جہاں میرؔ نے اپنے اس نظریۂ فن کی مکمل تبعیت کا اظہار کیا ہے اور اس حصے کو میرؔ کی شاعری کا نمائندہ حصہ کہنا چاہیے۔ اس میں لفظی رعایت بھی ہے اور مینا کاری بھی، تشبیہوں کی ندرت بھی ہے اور بیان کی پاکیزگی بھی، اور لہجے کی شائستگی، سلاست لفظی، تصویر کشی اور خیال کی تجسیم یہ ساری خوبیاں بیک وقت مل جاتی ہیں... میرؔ کی شاعری کا دوسرا حصہ وہ ہے جو دہلی کی اٹھارہویں صدی عیسوی کے ادبی مذاق اور معیار کے زیرِ اثر لکھا گیا ہے یا جس پر فارسی کے ان اسالیب کا اثر ہے جو شعرائے متاخرین فارسی کے ہاں رائج تھے یا محض تلاش الفاظ ہے یا ایہام یا تجنیس ہے... تیسرا حصہ وہ ہے جس میں اسلوب کی نفاست اور نادرہ کاری نہیں ہے بلکہ فنی کرتب دکھائے گئے ہیں، سخت ردیف وقوافی، پیچیدہ مضمون، ژولیدہ اندازِ بیان اور بے ساختگی کا اثر نمایاں ہے۔ (۳۲)

حامدی کاشمیری کی کتاب کارگہِ شیشہ گری ۱۹۸۲ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب میرؔ شناسی کے سلسلے میں خاصی اہمیت کی حامل ہے۔ اس کتاب کی اہم بات یہ ہے کہ حامدی کاشمیری نے میرؔ کے عہد اور حالات کو مطالعۂ میرؔ کے لیے بنیاد نہیں بنایا بلکہ انھوں نے میرؔ کے تخیلی وجود کو اہمیت دی ہے۔ وہ تمام تنقیدی رویے جن میں سماجی، نفسیاتی، سوانحی، فلسفیانہ، اقداری، ہیئتی اور اسلوبیاتی طرز برتا گیا، حامدی کاشمیری نے ان کی نفی کی ہے۔ اور اپنے ''اکتشافی تنقید'' کے نقطۂ نظر پر زور دیا ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print),　ISSN: 2708-1915 (Online)

> تنقید کا کام جیسا کہ ذکر ہوا شعری لسانیات کے وسیلے سے تخیلی دنیا کی سایہ گو فضاؤں میں ساعقہ پوش وقوعات کی شناخت کرنا ہے، اور قاری کو ان کی ندرت، معنویت اور جمالیاتی تاثیر کا احساس دلانا ہے۔ یعنی تنقید کو ایک اکتشافی کردار انجام دینا ہے۔(۳۳)

ان کے نزدیک میرؔ کی شاعری کی تخیلی دنیا میں حسیاتی علامتی پیکر کی تلاش کی جانی چاہیے۔ کیوں کہ ان کی شعری شخصیت تمام تر تخیلی دنیا کی پیداوار ہے۔ میرؔ کی زبان سے متعلق ان کا کہنا ہے کہ یہ فارسی سے مستعار نہیں لی گئی بلکہ خود میرؔ کی خلق کردہ ہے۔ میرؔ کی زبان میں سادگی، نرمی، لچک اور مٹھاس خالصتاً ہندوستانیت ہے۔ اسی وجہ سے حامدی کاشمیری نے میرؔ کی زبان کو اصلی اور فطری الفاظ کا مرقع قرار دیا ہے۔

اردو کے مستند محقق اور نقاد ڈاکٹر جمیل جالبی کا نام بھی میرؔ شناسی کی روایت میں اہمیت کا حامل ہے۔ ان کی کتاب محمد تقی میرؔ ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب دو حصوں پر مشتمل ہے۔ پہلا حصہ میرؔ کی شخصیت، سیرت اور حالات پر جبکہ دوسرا حصہ شاعری کے جدید تنقیدی جائزے پر مشتمل ہے۔ اس کتاب کا خاصہ یہ ہے کہ جالبی نے عالمی شعرا سے میرؔ کا موازنہ کرتے ہوئے میرؔ کے مقام و مرتبہ کا تعین کیا ہے۔ میرؔ کے کلام کی خوبی سے متعلق لکھا ہے کہ اس میں ہر نسل کو اپنے احساسات وجذبات کی دنیا جلوہ گر نظر آتی ہے۔ انھوں نے میرؔ کی شاعری کا محور عشق کو قرار دیا ہے۔ آزاد اور مولوی عبدالحق کے مفروضات جن کی بنا پر میرؔ کو قنوطی شاعر کہا گیا تھا، انھوں نے اس کی تردید کی ہے اور میرؔ کے غم کو انسانی زندگی کا حصہ قرار دیا ہے۔ بقول جمیل جالبی:

> میرؔ کا انسان رُوسو کا ''انسان'' نہیں بلکہ حسن عسکری کا وہ آدمی ہے جس میں مختلف قوتوں اور میلانات کے درمیان ایک توازن موجود ہے۔(۳۴)

میرؔ کی زبان سے متعلق جالبی کا کہنا ہے کہ میرؔ زبان کو عامیانہ پن سے بچا کے تخلیقی وذہنی سطح قائم رکھتے ہیں۔ عام بول چال کی زبان میں شاعری کر کے براہِ راست معاشرے سے جوڑنا اور زبان کے ارتقا میں اپنا اہم کردار ادا کرنا ہی میرؔ کا افتخار ہے۔

میرؔ کی شعری لسانیات اپنے موضوع کے اعتبار سے پہلی باقاعدہ کتاب قاضی افضال حسین نے تصنیف کی۔ جو ۱۹۸۳ء میں شائع ہوئی۔ انھوں نے میرؔ کے شعری محاسن کا جائزہ زبان، اسلوب اور بیان وبدیع کے حوالے سے کیا ہے۔ لفظ کے تعبیری اور دلالتی پہلوؤں میں خیال، لہجہ اور رمزیت کی اہمیت دی ہے۔ قاضی افضال حسین کے نزدیک میرؔ کی سب سے اہم خصوصیت الفاظ کے تخلیقی یا تعبیری استعمال میں پوشیدہ ہے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

> میرؔ کی غزل الفاظ کے تخلیقی استعمال کی اعلیٰ ترین مثالوں میں سے ایک ہے خصوصاً لفظ کی تعبیرات کو بروے کار لانے اور انھیں اپنے تجربات کے اظہار کا وسیلہ بنانے کا جو سلیقہ میرؔ کے اشعار میں نمایاں ہے وہ اردو کے دوسرے شعرا کے یہاں کم دکھائی دیتا ہے۔(۳۵)

قاضی افضال حسین نے میرؔ کے غم یا اداسی سے زیادہ الفاظ، استعاروں اور محاوروں پر زور دیا ہے۔ ان کے مطابق میرؔ کے تخلیقی کمال کا حسن ان کے استعاروں میں دکھائی دیتا ہے۔ میرؔ نے نئے استعارے بھی تخلیق کیے اور روایتی استعاروں میں بھی معنوی لطف پیدا کیا ہے۔ قاضی افضال حسین ان تمام مباحث سے یہ نتیجہ اخذ کرتے ہیں کہ میرؔ کی تمام تر اہمیت ان کے مخصوص لسانی رویے کی بدولت ہے۔

گوپی چند نارنگ کا نام اسلوبیاتی تنقید کے حوالے سے جانا جاتا ہے۔ ان کی کتاب اسلوبیات میرؔ ۱۹۸۵ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب میں میرؔ کی لسانی اور اسلوبیاتی خصوصیات کا تنقیدی جائزہ لیا گیا ہے۔ گوپی چند نارنگ کا کہنا ہے کہ میرؔ کے علاوہ کسی شاعر کے یہاں اردو کی اتنی شاخیں، اسالیب اور لسانی جہات نہیں ملتیں۔ یہ میرؔ کی شاعری کو شاعری نہیں باتیں تصور کرتے ہیں۔ بقول گوپی چند نارنگ:

> میرؔ اردو غزل میں کہنے اور سننے کی Oral روایت کے آخری امین ہیں۔ وہ بار بار اس کا ذکر بھی کرتے ہیں... میرؔ کے اشعار میں باتوں کا انداز پایا جاتا ہے۔(۳۶)

میرؔ کی زبان عام بول چال کی زبان ہے۔ گوپی چند نارنگ اسے سہلِ ممتنع سے تعبیر کرتے ہیں۔ ان کا کہنا ہے کہ میرؔ کے اشعار میں زبان کی عام ساخت برقرار رہتی ہے۔ اس کے باوجود یہ زبان اوپری ساخت کا کام نہیں کرتی۔ میرؔ کی شاعری میں طویل مصوتوں یا خفیف مصوتوں کو طویل بنانے کا رجحان بھی برج بھاشا سے ہے۔ اور ان کے کلام میں کھڑی بولی کی لسانی خصوصیات کا بھی اہم حصہ ہے۔ گوپی چند نارنگ میرؔ کو ''پوری اُردو'' کا شاعر قرار دیتے ہیں:

> پوری اردو سے مراد صرف ایک سطح نہیں بلکہ اس کے تمام لسانی روپ اور پرتیں، یعنی صرفی اور نحوی، صوتیاتی، اسلوبیاتی نیز عروضی ان تمام رخوں کو جیسا کہ میرؔ نے کھنگالا ہے اور زبان کے آئندہ امکانات کی جو بشارت دی ہے اس اعتبار سے پوری اردو زبان کے پورے شاعر کہلانے کا شرف میر تقی میرؔ ہی کو حاصل ہوسکتا ہے۔(۳۷)

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

میر تقی میر اور آج کا ذوقِ شعری محب عارفی کی کتاب ہے جو ۱۹۸۹ء میں شائع ہوئی۔ اس کتاب کو قاری، اساس، تنقید سے تعبیر کیا گیا ہے۔ خود محب عارفی نے بھی با اہلیت قاری اور عام قاری کے فرق کو بیان کیا ہے۔ اس کتاب میں محب عارفی نے کلامِ میر کی تفسیر اور میر و غالب کے مرتبے کا تقابل کیا ہے۔ اس تقابل کے اعتبار سے یہ پہلی کوشش تھی جو محب عارفی نے کی۔ شمس الرحمٰن فاروقی کا مضمون خدائے سخن میر کہ غالب اس کے بعد میں لکھا گیا لیکن فاروقی نے اس کتاب کا ذکر نہیں کیا۔ میر کے کلام کا جو انتخاب دیا ہے اس میں ۱۴۲۸ اشعار کی تشریح کی ہے۔ اور ساتھ ساتھ غالب کے شعری حوالوں سے تقابل بھی کیا ہے۔ میر اور غالب کا موازنہ کر کے محب عارفی نے لکھا ہے:

> قدر اول کے وہ اشعار جو مجھے میر کی غزلوں میں ملے من حیث المجموع مجھے اعتبار سے زیادہ دقیع و دلکش محسوس ہوئے۔ قدرِ اول کے ان اشعار کے مقابلے میں جو غالب کی اردو غزلوں میں پاسکا روایتی غزل گوئی کے فن میں میر تقی میر، مرزا غالب سے بہت برتر یعنی اردو کے عظیم ترین شاعر ہیں۔ (۳۸)

راشد آذر کی کتاب میر کی غزل گوئی: ایک جائزہ ۱۹۹۱ء میں شائع ہوئی۔ یہ کتاب میر کی غزل، فن اور شخصیت کے کئی پہلوؤں پر بحث کرتی ہے۔ اس کتاب کو دو حصوں میں تقسیم کیا گیا ہے۔ پہلے حصے میں میر کی شخصیت اور کلام کا فنی جائزہ پیش کیا گیا ہے جبکہ دوسرا حصہ انتخاب کلامِ میر پر مشتمل ہے۔ راشد آزر نے میر کی فکر اور اسلوب سے متعلق بالکل نئے انداز میں تبصرہ کیا ہے۔ ان کے نزدیک ''میر ایک پہلودار اور تہہ دار غیر منقسم زندہ اکائی کا نام ہے۔'' میر کے فن پر متفرق مضامین جن میں مخصوص و متضاد پہلو، شعری و لسانی خصوصیات اور دیگر فنی محاسن کا مفصل تجزیہ پیش کیا ہے۔ انتقادِ میر کے حوالے سے اہمیت رکھتے ہیں۔ تنافرِ لفظی کے عنوان سے مضمون میں کلامِ میر میں پائے جانے والے عیب تنافر کی مثالیں بھی دی ہیں۔ بقول راشد آذر:

> ان اوصاف کے ساتھ ساتھ جو بات مجھے اپنے مطالعے کے دوران کھلی وہ رطب و یابس کے یک جا ہونے کے علاوہ شاذ و نادر ہی سہی تنافر لفظی کی وہ گنی چنی مثالیں ہیں جن کی میر سے ہم توقع نہیں رکھتے اور جن کی طرف کم ہی نقادوں نے اشارہ کیا ہے۔ (۳۹)

بیسویں صدی کے آخر کی نمائندہ کتاب شعرِ شور انگیز ہے۔ جسے شمس الرحمٰن فاروقی نے چار جلدوں میں بالترتیب ۱۹۹۰ء، ۱۹۹۱ء، ۱۹۹۲ء، ۱۹۹۴ء میں شائع کیا۔ فاروقی نے کلامِ میر میں نئی معنویتوں کی نشاندہی کی

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

ہے۔ انھوں نے منشاے مصنف کے بجائے متنِ شعر کو اہمیت دی ہے۔ زبان کی صوتی اور صرفی ونحوی خوبیوں کے ساتھ استعارے، ضائع وبدائع اور عروض وآہنگ وغیرہ سے بھی استفادہ کیا ہے۔ اس کتاب کی چار جلدوں کے مقدمات میرؔ شناسی کے سرمائے میں خاص اہمیت رکھتے ہیں۔ پہلی جلد میں شامل مضمون خداے سخن میرؔ کہ غالب تقابل کے ساتھ ساتھ دونوں شعرا کی اہمیت وعظمت کو بھی اجاگر کرتا ہے۔ فاروقی نے میرؔ کی زبان کو ان کا بنیادی امتیاز قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک دونوں شعرا میں معنی آفرینی، شورش اور شورانگیزی جیسی خصوصیات مشترک ہیں لیکن زبان کے اعتبار سے دونوں شعرا میں بہت فرق ہے۔ بقول شمس الرحمٰن فاروقی:

> زبان کے تنوع، تجزیۂ حیات کی کثرت اور شخصیت کی ہمہ گیری میں میرؔ کا مرتبہ غالبؔ سے اعلیٰ ہے۔ خالص تعقل اور تجرید اور نازک خیالی میں غالبؔ کا درجہ میرؔ سے بلند ہے۔(۴۰)

فاروقی نے میرؔ کی لسانی خصوصیات پر دو مفصل ابواب بھی لکھے ہیں۔ جن میں میرؔ کی اہم ترین خصوصیت روزمرہ کو قرار دیا ہے۔ ان کے نزدیک میرؔ نے روزمرہ کی زبان میں شاعری کی ہے۔ فاروقی نے میرؔ کی خوبیوں کے اعتراف کے باوجود غیر جانبداری سے کئی خامیوں کا تذکرہ بھی کیا ہے۔ جیسا کہ ادھ کچرے الفاظ کے استعمالات سے بعض جگہ بھونڈا پن کا احساس نمایاں ہونا، اس کی نشاندہی کی ہے۔ فاروقی نے مغربی اور مشرقی تنقید کے امتزاج سے تنقید کے نئے زاویے دریافت کئے ہیں۔ تشریحات میں معنی اور اس کی تہہ داری کو فوقیت دی ہے۔ فاروقی میرؔ کو انسانی رشتوں کے اعتبار سے سب سے بڑا شاعر تسلیم کرتے ہیں۔

جلد دوم، ردیف ''ب'' سے ''م'' تک کے انتخابی اشعار کے تجزیے کا احاطہ کرتی ہے۔ دراصل یہ جلد ''معنی کے معنی'' پر روشنی ڈالتی ہے۔ جلد سوم اور چہارم کلاسیکی غزل کی شعریات سے متعلق بحث کرتی ہے۔ اس سے پہلے تک کلاسیکی شعریات میں مواد اور موضوع کو اہمیت حاصل تھی جبکہ فاروقی نے ہیئت اور اسلوب کو اہمیت دی ہے۔ کلاسیکی شعریات کا یہ معیار قائم کرکے میرؔ کے کلام کو پرکھنے کی جو کوشش فاروقی نے کی ہے اس کی مثال کہیں نہیں ملتی۔

میرؔ شناسی کی روایت جس کا آغاز تذکروں سے ہوا، ایک طویل سفر طے کرتے ہوئے آبِ حیات ۱۸۸۰ء تک پہنچی جو تذکروں اور تاریخ کے درمیان اہم کڑی ثابت ہوئی۔ اس کے بعد مقدمہ شعروشاعری ۱۸۹۳ء سے تنقید کا نیا دور شروع ہوا جس سے میرؔ شناسی کی روایت مستحکم ہونا شروع ہوئی۔ بیسویں صدی میں میرؔ شناسی نہ صرف مستحکم ہوئی بلکہ اپنے نقطۂ عروج کو بھی پہنچی۔ اس صدی نے تحقیق وتنقید کے میدان میں کئی معرکے سر کیے۔

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

عہدِ میرؔ سے عصرِ حاضر تک میر تقی میرؔ پر ہونے والے تنقیدی مباحث نے اردو تنقید کو ایک مستقل فکری و ادبی دھارے سے منسلک رکھا ہے۔ تذکروں میں اگرچہ میرؔ کی شخصیت پر ذاتی تاثرات غالب رہے، لیکن وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ اس تنقید میں فکری گہرائی، تنقیدی اصولوں کی پختگی اور زبان و بیان کی باریکیوں کا شعور شامل ہوتا چلا گیا۔ کلاسیکی تنقید سے جدید تنقید تک میرؔ کی شخصیت اور شاعری کو مختلف زاویوں سے دیکھا اور پرکھا گیا ہے۔

اب تک میرؔ شناسی کی فکری و ادبی روایت کا اجمالی جائزہ پیش کیا گیا ہے۔ جس میں عہدِ میرؔ کے ابتدائی تذکروں سے لے کر بیسویں صدی کی جدید تنقید تک با اعتبارِ سنہِ تصنیف ترتیب کو ملحوظ رکھا گیا ہے۔ اردو شعرا سے متعلق لکھے گئے تذکروں کی کل تعداد ۸۱ ہے جس میں ۲۵ تذکرے حیاتِ میرؔ میں لکھے گئے اور ۵۶ تذکرے وفاتِ میرؔ کے بعد لکھے گئے۔ ان میں بعض تذکرے ایسے ہیں جن میں یا تو میرؔ کا ذکر ہی نہیں ملتا یا پھر ان میں میرؔ سے متعلق کوئی تنقیدی رائے قائم ہی نہیں کی گئی۔ ایسے تمام تذکروں کو میرؔ شناسی کی اس فکری و ادبی روایت کا حصہ نہیں بنایا گیا۔ تذکروں کی تنقید کے بعد آزاد، حالی اور شبلی سے باقاعدہ تنقید کا آغاز ہوا اور بعد ازاں مولوی عبدالحق، صفدر آہ، عبادت بریلوی، علی سردار جعفری، خواجہ احمد فاروقی، گوپی چند نارنگ اور شمس الرحمٰن فاروقی جیسے نقادوں نے میرؔ کی شخصیت اور ان کی شاعری کے متنوع پہلوؤں کو سامنے لانے کی کوشش کی۔ کبھی میرؔ کی زبان و بیان کی لطافتوں کو سراہا تو کبھی سادگی اور اثر آفرینی کو اور کبھی داخلیت اور رمزیت کو موضوعِ بحث بنایا۔ اسی دور میں تنقید کے جدید رجحانات بھی سامنے آئے جن میں نفسیاتی تنقید، لسانیاتی تنقید، اسلوبیاتی تنقید اور ساختیاتی تنقید وغیرہ شامل ہیں۔ میرؔ شناسی کی وہ روایت جو تذکروں سے شروع ہو کر ارتقائی سفر طے کرتے کرتے بیسویں صدی کے اواخر تک مستحکم ہوتی دکھائی دیتی ہے، اکیسویں صدی کی دہلیز پہ آن پہنچی ہے۔ میرؔ کے تغزل، اسلوبیات اور جمالیات جیسے کئی اہم موضوعات جن پر اکیسویں صدی میں باضابطہ طور پر ناقدین نے خامہ فرسائی کی ہے۔ اس سے نہ صرف عصرِ حاضر میں میرؔ کی شاعری کے نئے پہلو سامنے آئے ہیں بلکہ اردو تنقید کی فکری بالیدگی میں بھی اضافہ ہوا ہے۔ دراصل میرؔ کی شاعری وہ آئینہ ہے جس میں ہر دور نے اپنا عکس دیکھا ہے۔ لہٰذا، یہ فکری و ادبی تسلسل محض کلامِ میرؔ کی توضیح نہیں بلکہ ہر دور کے قاری اور نقاد کے لیے ایک زندہ تجربہ ہے۔

حواشی

۱۔ احمد جاوید، سرہانے میرؔ کے، (لاہور: خیال پبلشرز، ۲۰۲۱)، ص ا

۲۔ میر تقی میرؔ، نکات الشعراء، مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء)، ص ۱۴۷

ISSN: 2519-6332 (Print),   ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۔ ایضاً،ص ۱۶۳

۴۔ علی الحسینی گردیزی، تذکرۂ ریختہ گویاں، مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدر کاشمیری (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۵ء)،ص ۱۵۷

۵۔ محمد قیام الدین قائم چاند پوری، تذکرۂ مخزنِ نکات، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء)ص ۴۸

۶۔ لچھمی نرائن شفیق، چمنستانِ شعراء، مرتبہ مولوی عبدالحق (اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۸ء)،ص ۶۲۔۲۶۱

۷۔ قدرت اللہ شوق، طبقات الشعراء، مرتبہ نثار احمد فاروقی (لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء)ص ۲۰۶

۸۔ میر حسن، تذکرۂ شعرائے اردو، مرتبہ محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی (علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی پریس، ۱۹۲۲ء)،ص ۱۷۴

۹۔ مردان علی خاں مبتلا، تذکرۂ گلشنِ سخن، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۵ء)،ص ۲۰۵

۱۰۔ حنیف نقوی، شعرائے اردو کے تذکرے، (لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۶ء)،ص ۵۰۸

۱۱۔ غلام ہمدانی مصحفی، تذکرۂ ہندی، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء)،ص ۲۱۲

۱۲۔ شیخ وجیہہ الدین عشقی، تذکرۂ عشقی، مشمولہ ''دو تذکرے''، جلد ۲، مرتبہ کلیم الدین احمد (پٹنہ: لیبل لیتھو پریس، ۱۹۲۳ء)،ص ۱۹۱

۱۳۔ میر محمد خاں سرور، عمدۂ منتخبہ، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی (ممبئی: ادبی پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۱ء)،ص ۵۵۳

۱۴۔ میر قدرت اللہ قاسم، مجموعۂ نغز، مرتبہ حافظ محمود شیرانی (لاہور: مطبع کریمی پریس، ۱۹۳۳ء)،ص ۳۱۔۲۳۰

۱۵۔ احد علی یکتا، دستور الفصاحت، مرتبہ امتیاز علی عرشی (رامپور: ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء)،ص ۲۵،۲۲

۱۶۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شعرِ شور انگیز، جلد اوّل، (نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶ء)ص ۲۹

۱۷۔ احمد حسین سحر، بہارِ بیخزاں، مرتبہ ڈاکٹر نعیم احمد (دہلی: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، ۲۹۶۸ء)،ص ۹۹

۱۸۔ سیّد علی حسن خان، بزمِ سخن، (آگرہ: مطبعِ مفید، ۱۸۸۱ء)،ص ۱۰۹

۱۹۔ محمد حسین آزاد، آبِ حیات، (لاہور: مفید عام پریس، ۱۸۸۷ء)،ص ۱۸۔۲۱۷

۲۰۔ الطاف حسین حالی، مقدمہ شعر و شاعری، (لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء)،ص ۶۶

۲۱۔ مولوی عبدالحق، مقدمہ، انتخابِ کلامِ میر، (علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۶ء)،ص ۲۲،۲۰

۲۲۔ عبدالمنان بیدل عظیم آبادی، اشعارِ میر، (الٰہ آباد: لالہ رام نرائن لعل بک سیلر، ۱۹۳۵ء)،ص ۱۶

۲۳۔ ڈاکٹر آہ سیتاپوری، فلسفہ میر، (سیتاپور: جنرل پبلشنگ اینڈ پرنٹنگ ہاؤس، ۱۹۳۶ء)،ص ۷

۲۴۔ جعفر علی خاں اثر، مقدمہ، مزامیر، (دہلی: کتابی دنیا لمیٹڈ، ۱۹۴۷ء)،ص ۳۱

۲۵۔ سیّد مسیح الزماں، مقدمہ، مراثی میر، (لکھنؤ: سرفراز قومی پریس، ۱۹۵۱ء)،ص ۴۸

۲۶۔ خواجہ احمد فاروقی، میر حیات اور شاعری، (دہلی: انجمن ترقی اردو ہند ۲۰۱۵ء)،ص ۴۸۸

۲۷۔ ایضاً،ص ۴۱

۲۸۔ ڈاکٹر سیّد عبداللہ، نقدِ میر، (لاہور: مکتبہ خیابان ادب، ۱۹۲۸ء)،ص ۱۷۳

۲۹۔ علی سردار جعفری، پیغمبرانِ سخن، (کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۸۳ء)،ص ۹۶

۳۰۔ احتشام حسین (مرتب)، مقدمہ، کلیاتِ میر، (الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۷۲ء)،ص ۸

۳۱۔ محمد عمر، اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت میر کا عہد، (دہلی: مطبع جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۳ء)،ص ۱۸۸

۳۲۔ نثار احمد فاروقی، تلاشِ میر، (نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء)،ص ۳۵،۳۶،۳۹

۳۳۔ حامدی کاشمیری، کارگہِ شیشہ گری، (سری نگر: ادارہ ادب، ۱۹۸۲ء)،ص ۲۴

۳۴۔ ڈاکٹر جمیل جالبی، میر تقی میر، (دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء)،ص ۱۰۹

۳۵۔ قاضی افضال حسین، میر کی شعری لسانیات، (فیض آباد: نشاط پریس، ۱۹۸۳ء)،ص ۶۲

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۳۶۔ گوپی چند نارنگ، اسلوبیاتِ میرؔ، (کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۵ء)، ص ۲۴

۳۷۔ ایضاً، ص ۶۹

۳۸۔ محب عارفی، میر تقی میرؔ اور آج کا ذوقِ شعری، (کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء)، ص ۳۵۸

۳۹۔ راشد آزر، میرؔ کی غزل گوئی، ایک جائزہ، (نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء)، ص ۱۳

۴۰۔ شمس الرحمٰن فاروقی، شعرِ شور انگیز، جلد اول، ص ۴۱

ماٰخذ

۱۔ آذر، راشد، میرؔ کی غزل گوئی، ایک جائزہ، نئی دہلی: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۹۱ء

۲۔ آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: مفید عام پریس، ۱۸۸۷ء

۳۔ اثرؔ، جعفر علی خاں، مقدمہ، مزامیرؔ، دہلی: کتابی دنیا لمیٹڈ، ۱۹۴۷ء

۴۔ جالبی، جمیل، ڈاکٹر، میر تقی میرؔ، دہلی: ایجوکیشنل پبلشنگ ہاؤس، ۱۹۸۳ء

۵۔ جاوید، احمد، سرہانے میرؔ کے، لاہور: خیال پبلشرز، ۲۰۲۱ء

۶۔ جعفری، علی سردار، پیغمبرانِ سخن، کراچی: مکتبۂ دانیال، ۱۹۸۳ء

۷۔ چاند پوری، محمد قیام الدین قائم، تذکرۂ مخزنِ نکات، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء

۸۔ حالی، الطاف حسین، مقدمہ شعر و شاعری، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۳ء

۹۔ حسن، میر، تذکرۂ شعرائے اردو، مرتبہ محمد حبیب الرحمٰن خاں شروانی، علی گڑھ: مسلم یونی ورسٹی پریس، ۱۹۲۲ء

۱۰۔ حسین، احتشام (مرتب)، مقدمہ، کلیاتِ میرؔ، الٰہ آباد: اسرار کریمی پریس، ۱۹۷۲ء

۱۱۔ حسین، افضال، قاضی، میرؔ کی شعری لسانیات، فیض آباد: نشاط پریس، ۱۹۸۳ء

۱۲۔ خان، سیّد علی حسن، سیّد، بزمِ سخن، آگرہ: مطبعِ مفید، ۱۸۸۱ء

۱۳۔ سحر، احمد حسین، بہارِ بیخزاں، مرتبہ ڈاکٹر نعیم احمد، دہلی: کوہِ نور پرنٹنگ پریس، ۲۹۶۸ء

۱۴۔ سرور، میر محمد خاں، عمدۂ منتخبہ، مرتبہ خواجہ احمد فاروقی، ممبئی: ادبی پرنٹنگ پریس، ۱۹۶۱ء

۱۵۔ سیتاپوری، آہؔ، ڈاکٹر، فلسفہ میرؔ، سیتاپور: جنرل پبلشنگ اینڈ پرنٹنگ ہاؤس، ۱۹۳۶ء

۱۶۔ شفیق، لچھمی نرائن، چمنستانِ شعراء، مرتبہ مولوی عبدالحق، اورنگ آباد: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۸ء

۱۷۔ شوق، قدرت اللہ، طبقات الشعراء، مرتبہ نثار احمد فاروقی، لاہور: مجلس ترقی ادب، ۱۹۶۸ء

۱۸۔ عارفی، محب، میر تقی میرؔ اور آج کا ذوقِ شعری، کراچی: نفیس اکیڈمی، ۱۹۸۹ء

۱۹۔ عبدالحق، مولوی، مقدمہ، انتخابِ کلامِ میرؔ، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۲۶ء

۲۰۔ عبداللہ، سیّد، ڈاکٹر، نقدِ میرؔ، لاہور: مکتبہ خیابانِ ادب، ۱۹۲۸ء

۲۱۔ عشقی، شیخ وجیہہ الدین، تذکرۂ عشقی، مشمولہ ''دو تذکرے''، جلد ۲، مرتبہ کلیم الدین احمد، پٹنہ: لیبل لیتھو پریس، ۱۹۲۳ء

۲۲۔ عمر، محمد، اٹھارھویں صدی میں ہندوستانی معاشرت میرؔ کا عہد، دہلی: مطبع جمال پرنٹنگ پریس، ۱۹۷۳ء

۲۳۔ عظیم آبادی، عبدالمنان بیدلؔ، اشعارِ میرؔ، الٰہ آباد: لالہ رام نرائن لعل بک سیلر، ۱۹۳۵ء

۲۴۔ فاروقی، احمد، خواجہ، میرؔ حیات اور شاعری، دہلی: انجمن ترقی اردو ہند ۲۰۱۵ء

۲۵۔ فاروقی، شمس الرحمٰن، شعرِ شور انگیز، جلد اوّل، نئی دہلی: قومی کونسل برائے فروغ اردو زبان، ۲۰۰۶ء

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

۲۶۔ فاروقی، نثار احمد، تلاشِ میرؔ، نئی دہلی: مکتبہ جامعہ لمیٹڈ، ۱۹۷۴ء

۲۷۔ قاسم، میر قدرت اللہ، مجموعۂ نغز، مرتبہ حافظ محمود شیرانی، لاہور: مطبع کریمی پریس، ۱۹۳۳ء

۲۸۔ کاشمیری، حامدی، کارگہِ شیشہ گری، سری نگر: ادارہ ادب، ۱۹۸۲ء

۲۹۔ گردیزی، علی الحسینی، تذکرۂ ریختہ گویاں، مرتبہ ڈاکٹر اکبر حیدر کاشمیری، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۹۵ء

۳۰۔ مبتلا، مردان علی خاں، تذکرۂ گلشنِ سخن، مرتبہ سید مسعود حسن رضوی ادیب، علی گڑھ: انجمن ترقی اردو ہند، ۱۹۶۵ء

۳۱۔ مسیح الزماں، سیّد، مقدمہ، مراثی میرؔ، لکھنؤ: سرفراز قومی پریس، ۱۹۵۱ء

۳۲۔ مصحفیؔ، غلام ہمدانی، تذکرۂ ہندی، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۵ء

۳۳۔ میرؔ، میر تقی، نکات الشعراء، مرتبہ ڈاکٹر محمود الٰہی، لکھنؤ: اتر پردیش اردو اکادمی، ۱۹۸۴ء

۳۴۔ نارنگ، گوپی چند، اسلوبیات میرؔ، کراچی: انجمن ترقی اردو پاکستان، ۱۹۸۵ء

۳۵۔ نقوی، حنیف، شعرائے اردو کے تذکرے، لکھنؤ: نسیم بک ڈپو، ۱۹۷۶ء

۳۶۔ یکتا، احد علی، دستور الفصاحت، مرتبہ امتیاز علی عرشی، رام پور: ہندوستان پریس، ۱۹۴۳ء

Bibliography:

1. Abdul Haq, Moulvi. Muqaddima, *Intikhab-e-Kalam-e-Mir.* Aligarh: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Hind, 1966.
2. Abdullah, Syed, Dr. *Naqd-e-Mir.* Lahore: Maktaba Khayaban-e-Adab, 1928.
3. Arifi, Muhib. *Mir Taqi Mir aur Aaj ka Zauq-e-Sheri.* Karachi: Nafees Academy, 1989.
4. Asar, Jafar Ali Khan. *Muqaddima*, Mazamir. Delhi: Kitabi Dunya Limited, 1947.
5. Azad, Muhammad Hussain. *Aab-e-Hayat.* Lahore: Mufeed-e-Aam Press, 1887.
6. Azar, Rashid. *Mir ki Ghazal Goi: Ek Jaiza.* New Delhi: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Hind, 1991.
7. Azimabadi, Abdul Mannan Bedil. *Ashar-e-Mir.* Allahabad: Lala Ram Narain Lal Bookseller, 1935.
8. Chandpuri, Muhammad Qayamuddin Qaim. *Tazkira-e-Makhzan-e-Nikat.* Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1985.
9. Faruqi, Ahmad, Khwaja. *Mir: Hayat aur Shairi.* Delhi: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Hind, 2015.
10. Faruqi, Nisar Ahmad. *Talash-e-Mir.* New Delhi: Maktaba Jamia Limited, 1974.
11. Faruqi, Shamsur Rahman. *Sher-e-Shor Angez,* Vol. 1. New Delhi: Qaumi Council Baraye Farogh-e-Urdu Zaban, 2006.
12. Gardezi, Ali-ul-Hussaini. *Tazkira-e-Rekhta Goyan.* Edited by Dr. Akbar Hyder Kashmiri. Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1995.
13. Hali, Altaf Hussain. *Muqaddima Sher-o-Shairi.* Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1993.
14. Hasan, Mir. *Tazkira-e-Shuara-e-Urdu.* Edited by Muhammad Habib-ur-Rahman Khan Shervani. Aligarh: Muslim University Press, 1922.
15. Hussain, Afzal, Qazi. *Mir ki Sheri Lisaniyat.* Faizabad: Nishat Press, 1983.
16. Hussain, Ehtesham (Ed.). *Muqaddima* in *Kulliyat-e-Mir.* Allahabad: Asrar Karimi Press, 1972.
17. Ishqi, Sheikh Wajihuddin. *Tazkira-e-Ishqi* In *Do Tazkirey*, Vol. 2. Edited by Kalimuddin Ahmad. Patna: Label Litho Press, 1923.
18. Jafri, Ali Sardar. Paighambaran-e-Sukhan. Karachi: Maktaba-e-Danial, 1983.
19. Jalibi, Jamil, Dr. *Mir Taqi Mir.* Delhi: Educational Publishing House, 1983.
20. Javed, Ahmad. *Sirhane Mir Key.* Lahore: Khayal Publishers, 2021.
21. Kashmiri, Hamidi. *Kargah-e-Sheesha Gari.* Srinagar: Idara-e-Adab, 1982.
22. Khan, Syed Ali Hasan, Syed. *Bazm-e-Sukhan.* Agra: Matba-e-Mufeed, 1881.
23. Masih-uz-Zaman, Syed. *Muqaddima* in *Marasi-e-Mir.* Lucknow: Sarfaraz Qaumi Press, 1951.

ISSN: 2519-6332 (Print), ISSN: 2708-1915 (Online)

24. Mir, Mir Taqi. *Nikat-ul-Shuara.* Edited by Dr. Mahmood Ilahi. Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1984.
25. Mubtala, Mardan Ali Khan. *Tazkira-e-Gulshan-e-Sukhan.* Edited by Syed Masood Hasan Rizvi Adeeb. Aligarh: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Hind, 1965.
26. Mushafi, Ghulam Hamdani. *Tazkira-e-Hindi.* Lucknow: Uttar Pradesh Urdu Academy, 1985.
27. Naqvi, Hanif. *Shuara-e-Urdu ke Tazkirey.* Lucknow: Naseem Book Depot, 1976.
28. Narang, Gopi Chand. *Uslubiyat-e-Mir.* Karachi: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Pakistan, 1985.
29. Qasim, Mir Qudratullah. *Majmua-e-Naghz.* Edited by Hafiz Mahmood Shairani. Lahore: Matba Karimi Press, 1933.
30. Sahar, Ahmad Hussain. *Bahar-e-Be-Khazan.* Edited by Dr. Naeem Ahmad. Delhi: Koh-e-Noor Printing Press, 1968.
31. Sarwar, Mir Muhammad Khan. *Umda-e-Muntakhaba.* Edited by Khwaja Ahmad Faruqi. Mumbai: Adabi Printing Press, 1961.
32. Shafiq, Lachmi Narain. *Chamanistan-e-Shuara.* Edited by Moulvi Abdul Haq. Aurangabad: Anjuman Tarraqi-e-Urdu Hind, 1928.
33. Shauq, Qudratullah. *Tabaqat-ul-Shuara.* Edited by Nisar Ahmad Faruqi. Lahore: Majlis-e-Tarraqi-e-Adab, 1968.
34. Sitapuri, Aah, Dr. *Falsafa-e-Mir.* Sitapur: General Publishing and Printing House, 1936.
35. Umar, Muhammad. *Atharvin Sadi mein Hindustani Mashrat: Mir ka Ehed.* Delhi: Matba Jamal Printing Press, 1973.
36. Yakta, Ahad Ali. *Dastur-ul-Fasahat.* Edited by Imtiaz Ali Arshi. Rampur: Hindustan Press, 1943.